سر سیّد رضا علی

برصغیر کے نوآبادیاتی دور
میں
مسلم - مسیحی مناظرہ

[سر سیّد رضا علی کندرکھی (مراد آباد - اُتر پردیش) کے رضوی سادات میں سے تھے۔ انہوں نے علی گڑھ کالج سے بی - اے، ایل - ایل - بی کیا اور وکالت میں خوب نام کمایا۔ انہوں نے نواب محسن الملک کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے سیاسی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ مرکزی اسمبلی ہندوستان کے رُکن بنے، آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر رہے، قانونی اور سیاسی خدمات کے سبب متعدّد سرکاری مناصب پر فائز ہوئے۔ پبلک سروس کمیشن کے رکن بنائے گئے اور ہائی کمشنر بھی رہے۔ سوچ اور فکر کے اعتبار سے "جدیدیّت دوست" مسلمانوں میں شامل تھے اور شعر و ادب کا نہایت عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ دسمبر ۱۹۴۳ء میں اُن کی خود نوشت "اعمال نامہ" شائع ہوئی جو اُن کی زندگی کی کامیابیوں کے ساتھ ساتھ مسلم برصغیر کی چالیس پچاس برس کی مختصر تاریخ ہے، اور شعر و ادب کی چاشنی اس پر مستزاد ہے۔ مسلم - مسیحی مناظرہ سے متعلق "اعمال نامہ" کے چند صفحات ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔ مدیر]

سر سیّد نے "تہذیب الاخلاق" میں سلسلۂ مضامین لکھ کر اسلام کی جو عظیم الشان خدمت شروع کی تھی وہ ادھوری پڑی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سر سیّد کے سب دلائل قابل قبول ہیں۔ اسلام کو انیسویں صدی کے عیسائیوں کی نظر میں بھاری بھر کم بنانے کی دھن میں سر سیّد علیہ الرحمہ نے بعض مقامات پر بہت اوچھے طریقۂ استدلال سے کام لیا ہے، بھلاوہ مذہب جس کے ایک میں تین اور تین میں ایک (تثلیث) کا مسئلہ آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا اور جس کو سمجھانے سے خود تنفّر (عیسائیت) عاجز ہے، دین اسلام کے منہ کیا آئے گا۔ دین اسلام کے اصول عین قوانین قدرت کے مطابق ہیں۔ اسلام کی یہ غیر فطری اور دنیا کے امن میں خلل ڈالنے والی تعلیم نہیں ہے کہ اگر کوئی ایک رخسارے پر طمانچہ مارے تو دوسرا رخسار بھی پیش کر دیا جائے۔ آج ضرورت ہم کو ایسے علماء کی ہے جن میں ایسی جامعیت اور وسعتِ نظر ہو کہ سر سیّد کے شروع کیے ہوئے کام کو جاری رکھ سکیں۔ دین کی خدمت کرنے والے عالم میں وہ صفتیں موجود ہونا چاہییں جن میں کی بعض ہمارے ملک میں مولوی چراغ علی اور سیّد امیر علی

میں اور مصر میں مفتی محمد عبدہ میں موجود تھیں۔ بہت سے نوجوان جنھوں نے عربی تعلیم پائی ہے، ایک غلطی میں مبتلا ہیں جس کی نوعیت کو واضح کر دینا ضروری ہے۔ حضرت عیسیٰؑ خدا کی طرف سے ایک برحق دین لے کر آئے تھے جس کے اصول انھوں نے اپنی امت کے سامنے پیش کیے، وہ اصول اچھے اور قابل قبول ہیں اور ہمارے دین کے اصول سے مطابقت رکھتے ہیں۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو شریعت قائم کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اگر دُنیا میں رہتے تو حضرت موسیٰؑ کی طرح وہ بھی اپنی شریعت قائم کرتے۔ قرینہ یہ ہے کہ شریعت عیسوی کے قواعد سے شریعت موسوی کی غیر معمولی سختی میں بہت کمی ہو جاتی، مگر تخمیناً ساڑھے انیس سو برس کے بعد قیاس کے گھوڑے دوڑانا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو بات واقع ہوئی اس کو پیش نظر رکھیے، قبل اس کے کہ حضرت عیسیٰؑ شریعت قائم کریں، وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حقیقت میں دل و دماغ تو ان واقعات سے یہی نتیجہ نکالیں گے کہ حضرت عیسیٰؑ کا دین نامکمل رہا اور ایک ایسے ہادی کی ضرورت باقی رہی جس کے ہاتھوں حضرت عیسیٰؑ کے دین کی تکمیل ہو سکے۔ ہم مسلمانوں کے عقیدہ کے بموجب حضرت عیسیٰؑ کا ادھورا کام حضرت ختم المرسلین نے پورا کیا۔ شریعت کے نہ ہونے کے باعث عیسائی فقہ حواریوں، عیسائی کونسلوں اور روم کے پاپاؤں نے وقتاً فوقتاً اپنی سمجھ اور پہنچ کے مطابق وضع کی۔ آگے چل کر مختلف عیسائی قوموں اور ملکوں اور حکومتوں نے اس فقہ میں اپنی ضروریات کے مطابق تبدیلیاں کر لیں، مگر شریعت کے نہ ہونے سے جو عیسائیت کے غیر مکمل دین ہونے کا بیّن ثبوت ہے، فائدہ اٹھا کر اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کے عیسائیوں نے اسلامی شریعت پر اعتراضات شروع کر دیے۔
یہ اعتراضات یا فقہی مسائل پر ہیں یا حضور ﷺ کی زندگی کے بعض واقعات پر۔ عیسائی معترضین نے یہ التزام رکھا ہے کہ اُن واقعات میں حضور کی متاہل زندگی کو پیش پیش رکھا جائے، دونوں قسم کے اعتراضات معمولی ہیں جو کچھ وزن نہیں رکھتے۔ مسلم علماء نے جن میں مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی، مولوی ابوالمنصور صاحب دہلوی، مولوی آل حسن صاحب خاص طور سے قابل تذکرہ ہیں، ان اعتراضات کا جواب دینے کی ضرورت اس لیے سمجھی کہ انیسویں صدی میں مغلیہ سلطنت کے جانے اور انگریزی حکومت کے آنے سے جو تبدیلیاں ملک میں ہوئیں، انھوں نے ان اعتراضات میں وہ اہمیت پیدا کر دی جو پہلے اُن کو حاصل نہ تھی۔ مغربی طریقہ یہ ہے کہ وسعت تجارت کی آڑ میں حکومت حاصل کی جائے، اور حکومت حاصل کرنے کے بعد عیسائی مشنریوں (مبلغین) کو پورا موقع دیا جائے کہ مختلف ذرائع سے دینِ عیسوی کی اشاعت و تبلیغ کر کے نئے حاصل کیے ہوئے ملک کے باشندوں کو عیسائی بنائیں۔
انیسویں صدی عیسوی میں یورپ اور امریکہ کے مشنریوں نے جان توڑ کر ملک ہند میں عیسوی دین کو پھیلانے کی کوشش کی، جو ذرائع اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے برتے گئے، اُن میں کے بعض ذریعے یہ ہیں۔ اسکولوں میں انگریزی تعلیم دینا، لوگوں کو عیسائی مذہب قبول کرنے کے لیے مالی

ترغیب دینا، ہندوستانی عیسائیوں کے لیے ایک ایسے نئے طبقہ کا قائم کرنا جو انگریزوں سے نیچے، مگر عام ہندوستانیوں سے اوپر ہو اور عوام کے یہ ذہن نشین کرنا کہ دینِ اسلام اور ہندو دھرم من جانب اللہ نہیں ہیں، بلکہ اسلام ایک ایسے بزرگ کا قائم کیا ہوا دین ہے جو نعوذ باللہ دین کے پردے میں دنیاوی عظمت اور حکومت حاصل کرنا چاہتے تھے اور ہندو دھرم بجائے الہامی مذہب ہونے کے ایسا مذہب ہے جس کی بنیاد برہمنوں نے اپنا وقار ہمیشہ کے لیے قائم رکھنے کی غرض سے نابرابری، ناروا امتیاز اور اس رسم و رواج پر رکھی ہے جو اپنی سختی میں کسی طرح لوہے سے کم نہیں ہے۔ عیسائیوں کی طرف سے ہندو مذہب پر جو حملے ہوئے، اس کا اثر یہ ہوا کہ چھوٹی ذات کے لوگوں یا اچھوتوں کو جو برائے نام ہندو تھے عیسائی بنانے میں ایک حد تک مشنریوں کو کامیابی ہوئی۔ اس کامیابی کی اصلی وجہ وہ ناقابل برداشت برتاؤ تھا جس کا شکار عرصہ دراز سے ہندو مذہب نے اچھوتوں کو بنا رکھا تھا، ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یورپ اور امریکہ نے جو رقمِ خطیر ہر سال نئے عیسائیوں کی مالی امداد پر خرچ کی، اُس سے بھی مشنریوں کی جدوجہد کو تقویت حاصل ہوئی، تاہم ہندوؤں نے عیسائی حملوں کا جواب بنگال میں برہمو سماج اور شمالی ہند میں آریہ سماج قائم کر کے دیا۔ عیسائی مشنریوں کو وہ کامیابی نہ ہونے کی جس کی اُن کو توقع تھی ایک اور وجہ بھی ہوئی۔ عیسائی مذہب قبول کرنے والوں میں بہت سے آدمی ایسے تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ دین اسلام کی طرح نصرانی اخوت بھی عالمگیر ہے، سب عیسائیوں کے حقوق برابر ہیں۔ جب تجربہ سے ثابت ہوا کہ عیسائی مذہب نسل و رنگ کے امتیازات پر غالب نہیں ہے، بلکہ اُن سے مغلوب ہے تو چھوٹی قوموں کے افراد کو بھی نصرانیت قبول کرنے میں جو بہت بڑا لالچ تھا وہ جاتا رہا۔

جہاں تک دینِ اسلام کا تعلق ہے جیسا اوپر ذکر ہوا ہے عیسائیوں کے اعتراضات یا شرعی مسائل پر ہوتے تھے یا بیشتر حضرت خیر البشر ﷺ کے تعدد ازدواج پر۔ میری ناچیز رائے میں مسلمانوں کی طرف سے دونوں اعتراضوں کا یہ جواب بالکل کافی تھا کہ حضرت عیسیٰؑ ایسے نبی تھے جن کو بحیثیت انسان دنیاوی تعلقات قائم کرنا اور نباہنا تو درکنار، کبھی شادی کرنے تک کی نوبت نہیں آئی۔ بہت سے رشی اور ولی دنیا میں ایسے گزرے ہیں جنھوں نے مدت العمر کبھی کسی عورت کی طرف توجہ نہیں کی۔ عیسائی مبلّغین اور مصنّفین کا اس بات پر زور دینا کہ کسی حالت میں بھی مرد ایک سے زیادہ بیوی نہ رکھے، اس اخلاقی پستی کا ذمہ دار ہے جو اکثر عیسائی ممالک میں مرد و عورت کے تعلقات میں آج پائی جاتی ہے۔ اسلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ افراط و تفریط سے بچ کر اس نے میانہ روی کا وہ راستہ بتایا ہے جس کو اختیار کرنے سے ہر انسان نیکی اور سلامت روی کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اسلامی نکاح اور طلاق کے بارے میں عیسائی مبلغین جو چاہیں کہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے پہلی بیوی کی زندگی میں دوسرا نکاح کرنے کی اجازت صرف خاص شرائط کے ساتھ دی ہے جس میں سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ مسلمان ایک سے زیادہ بیوی ہونے کی حالت میں سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے اور کوئی امتیاز اُن

کے درمیان قائم نہ کرے۔ رہا طلاق کا معاملہ وہ اتنا صاف ہے کہ جو لوگ اسلامی سوسائٹی کی ترکیب اور اُس سرزنش سے واقف ہیں جس کے تازیانوں کی سزا مُدّت العمر اُس مسلمان مرد کو بھگتنی پڑتی ہے جو بلاوجہ اپنی بیوی کو طلاق دے، وہ اس امر سے بھی بخوبی آگاہ ہیں کہ طلاق کے واقعات ہندوستان کے مسلمانوں میں اُس تعداد سے بہت کم ہیں جو تعداد طلاقوں کی یونائیٹڈ اسٹیٹس (امریکہ) میں ہر سال ہوتی ہے۔ خود میرے قصبہ میں میری یاد میں شریف مسلمانوں میں طلاق کا ایک واقعہ گزرا ہے۔ حضرت ختم المرسلین ﷺ نے اپنی ساری جوانی ایک بیوی کے ساتھ گزاری جو عمر میں حضور ﷺ سے بڑی تھیں، اُن کی وفات کے بعد کئی نکاح کیے، لیکن اکثر بیویاں زیادہ عمر کی اور ایک کے سوا باقی بیوہ یا مطلقہ تھیں۔ ہر زوجہ سے خاص حالات میں نکاح کیا، کسی بیوی کو طلاق نہیں دی۔ بیویوں کے ساتھ جو برتاؤ انصاف کا کیا اُس سے نہ صرف مسلمان، بلکہ دیگر مذاہب کے پیرو سبق لے سکتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ دنیا اور لذّاتِ دنیاوی کا ترک دشوار ہے، لیکن ہر ذی ہوش انسان تسلیم کرے گا کہ خاندان، قبیلے، برادری، اہلِ شہر اور ملک کے باشندوں سے گہرے تعلقات رکھنے کے باوجود اپنے کو مکروہات دنیاوی میں ملوّث نہ ہونے دینا اور دنیا میں رہ کر اُس سے علیحدگی اختیار کرنا دشوار تر ہے۔ قریش نے طرح طرح کے لالچ دیے، یہاں تک کہ مکہ کی حکومت بھی پیش کی۔ جاہ و منصب کی پروا ہوتی تو حضور ﷺ یہ پیش کش منظور فرما لیتے۔ سارے انبیاء حق سبحانہ وتعالیٰ کے پیغام بر تھے جن کا احترام ہم مسلمانوں پر فرض ہے، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ دنیاوی حکومت کی پیش کش کا جال یہودیوں یا رومیوں نے حضرت عیسیٰ کی آزمائش کے لیے نہیں بچھایا۔ فتح مکہ کے دن جس سیر چشمی اور فیاضی کا برتاؤ اہلِ مکہ کے ساتھ کیا گیا اور جانی دشمنوں کی بڑی سے بڑی خطائیں معاف کر کے جس طرح ان کو امان دی گئی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس عفو کا درجہ اس دعا سے جو حضرت عیسیٰ نے اپنے دشمنوں کے لیے مانگی تھی، کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ جنابِ صمدیت کی بارگاہ میں دشمنوں کے لیے دعا کرنا ایک بات ہے، لیکن جو دشمن اپنے قبضۂ قدرت میں ہو اس سے انتقام نہ لینا امرِ دیگر ہے۔ ہر مذہب کا سنگ بنیاد اس کے موٹے موٹے اصول ہیں، مثلاً دینِ اسلام کی توحید اور نصرانیت کی تثلیث ایسے مسائل ہیں جن پر دونوں مذہبوں کی عمارتیں تعمیر ہوئی ہیں۔ دینِ اسلام کی عمارت سادہ مگر نہایت عالی شان ہے۔ مصنوعی رنگ کا اس میں دخل نہیں۔ پتھروں کے مختلف قدرتی رنگوں نے عجب بہار پیدا کر دی ہے۔ پتھروں کے باہمی جوڑ ایسے خوبصورت اور ہر حصۂ عمارت کا تناسب دوسرے حصوں سے ایسا ہے کہ خدا کی قدرت کا کرشمہ نظر آتا ہے۔ نصرانیت کی عمارت بھی لمبی چوڑی ہے، مگر موزونیت نہیں۔ نہ ایک حصہ کو دوسرے حصہ کے ساتھ کوئی مناسبت ہے۔ *معلوم ہوتا ہے مختلف اوقات میں مختلف شخصوں نے اس عمارت کے انمل بے جوڑ حصوں کو تعمیر کیا ہے۔ نہ پتھر اور اینٹیں اچھی ہیں، نہ مسالہ مضبوط ہے، البتہ جو نمائشی کمرے غیروں کو دکھانے کے لیے مخصوص کر دیے گئے ہیں ان کے ظاہری نقش و نگار نظر فریب ہیں اور خوبصورتی میں ایسے ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں جیسا وے ٹیکن میں پاپائے روم کا چھوٹا گرجا گھر مانکل

اینجیلو اور دوسرے مصوروں کے کمال کے باعث نظر آتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی بنائی ہوئی چھوٹی سی بارہ دری جس کے سات دراں کے دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے ہی منہدم ہو گئے تھے، بیت المقدس میں تھی، مگر چند صدیوں کے بعد پوپوں نے بارہ دری کا ملبہ رومتہ الکبریٰ میں اٹھوا منگوایا اور خوب گہرا زمین میں دفن کر کے اُس کے اوپر پاپائے روم کے ایوان کی تعمیر شروع کی۔ نتیجہ یہ ہے کہ اگر آپ آج حضرت عیسیٰ کی بارہ دری کے اینٹ پتھر اور مسالہ کو دیکھنا چاہیں تو عمارت کے محافظوں میں سے کسی سے آپ کو مدد نہ ملے گی، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان محافظوں کو اجڑی ہوئی بارہ دری یا اس کے ملبہ کی کچھ پروا نہیں ہے، ان کو تو بعد کی بنی ہوئی عمارت سے غرض ہے۔ جس مذہب کے پیرو آدمی کو خدا سمجھیں اور عبد کو معبود قرار دیں، ان کے دنیاوی وقار سے مرعوب ہو کر اُن کے معمولی اعتراضات کا جو انہوں نے حضرت خاتم الانبیاءﷺ یا اسلام کے فقہی مسائل پر کیے ہیں مبسوط کتابیں لکھ کر جواب دینا ہرگز ضروری نہیں ہے۔ ہمارے مذہب کے جملہ مسائل کو عقلی دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا اور معترضین کو یہ سمجھانا کہ وہ موجودہ زمانہ کی سائنس سے مطابقت رکھتے ہیں، اور بھی غیر ضروری بلکہ مضر ہے۔ سائنس کے مسائل برابر بدلتے رہتے ہیں اور روز نئی تحقیقاتیں ہوتی ہیں۔ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہو یا نہ گھومتی ہو، آسمان کو گردش ہو یا نہ ہو، لیکن اللہ ایک تھا، ایک ہے اور ایک ہی رہے گا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہر مسلمان بچہ کو وہ آیات جو قرآن مجید میں ذات اور صفات باری تعالیٰ کے بارہ میں ہیں، زبانی یاد کرائیں اور اُن کا مطلب سمجھائیں۔ جو لوگ خالق کو ماننے کے باوجود مخلوق کو خالق گردانیں، ان سے زیادہ فہم وادراک رکھنے والے تو گوتم بدھ کے پیرو ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ انسان کی زندگی کا مقصد نروان (نجات) حاصل کرنا ہے۔ بڑی خیریت ہوئی کہ حضرت عیسیٰؑ نے شادی نہیں کی۔ اگر اولاد چھوڑتے تو اولاد آدم اور آل اللہ کے (نعوذ باللہ خدا کے پوتے پوتیوں اور ان کی اولاد سے مراد ہے) باہمی ازدواج اور سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی رقابتوں سے معلوم نہیں اس دنیا میں کیا کیا گل کھلتے۔ اس مناکحت کا ایک نتیجہ یہ ہوتا کہ بعض خواتین کا تعارف سوسائٹی میں اس طرح کرایا جاتا کہ "آپ ماں کی طرف سے حضرت آدم کی نواسی ہیں اور باپ کی طرف سے خدا تعالیٰ کی پوتی ہیں۔" خدا ہم سب کو ان باطل و مضحکہ انگیز عقیدوں سے محفوظ رکھے اور ہمارے عیسائی بھائیوں اور بہنوں کو سچی راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

---

* یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ عیسائی فقہ کو مختلف کونسلوں اور پوپوں نے وضع کیا۔ حضرت عیسیٰؑ کی بنائی ہوئی چھوٹی بارہ دری سے مراد اُن کے بارہ حواری ہیں جن میں سے سات نے حضرت عیسیٰؑ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ آگے چل کر جو عبارت ہے، اُس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے تبلیغِ رسالت بیت المقدس میں کی، لیکن چند صدیوں کے بعد نصرانیت کا مرکز روم قرار پایا اور روم سے عیسائی مذہب مختلف ممالک میں پہنچا۔ روم کے مرکز قرار پانے کے بعد نصرانیت کی دُنیاوی ترقی تو بہت ہوئی، مگر حضرت عیسیٰؑ کی مقدس تعلیم کی بارہ دری پاپائے روم کے ایوان (مذہبی تعلیم) کے نیچے دب کر رہ گئی۔ جن تاریخی واقعات کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے وہ انجیل میں موجود ہیں۔